تب بابری مسجد مسمار ہوئی تھی اور اب انصاف۔۔۔!

سیکولر طاقتوں کے سامنے فسطائیت کے بڑھتے قدموں کو روکنے کا چیلنج

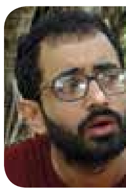

ابھے کمار، دلی

بابری مسجد انہدام کیس کی کئی دہائیوں سے سماعت کرنے والی ملک کی ممتاز جانچ ایجنسی سی بی آئی کی ایک خصوصی عدالت نے ۳۰ ستمبر کو لکھنؤ میں ایک ایسا فیصلہ سنایا جس نے عوام کو بری طرح مایوس کیا ہے۔ تقریباً ۳۰ سال پرانے فوجداری مقدمے پر فیصلہ سناتے ہوئے، سی بی آئی کے خصوصی جج ایس کے یادو نے تمام ۳۲ ملزموں کو بری کر دیا ہے۔ عدالت نے کہا کہ اس کے پاس ایسے شواہد موجود نہیں تھے جن کی بنیاد پر مسجد کو منہدم کرنے والے قصورواروں کی شناخت کی جا سکے۔ ۳۲ ملزموں کی فہرست میں بی جے پی کے سابق صدر اور مندر تحریک کے بڑے لیڈر لال کرشن اڈوانی، سابق مرکزی وزر امرلی منوہر جوشی اور اوما بھارتی اور سابق وزیر اعلیٰ کلیان سنگھ شامل ہیں۔ سب سے مایوس کن بات یہ ہے کہ دن کے اُجالے میں ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں مسمار کی گئی بابری مسجد کے بارے میں کورٹ نے کہا کہ یہ عمل پہلے سے منصوبہ بند نہیں تھا۔ یہ بات کسے نہیں معلوم کہ جب مسجد کو توڑا جا رہا تھا، تب سینکڑوں کی تعداد میں مقامی، قومی اور بین الاقوامی صحافی جائے واردات پر موجود تھے۔ کچھ میڈیا نے اس کی رپورٹنگ براہ راست بھی کی اور اس پورے واقعہ کی ویڈیو بھی انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ یہی نہیں ۶ دسمبر اور اس کے آس پاس کے اخباروں کے اوراق چیخ چیخ کر گواہی دے رہے ہیں کہ بابری مسجد کا انہدام ایک بڑی سازش کا حصہ تھا۔ پھر بھی عدالت یہ کہ رہی ہے کہ اس کے پاس اس بات کے پختہ ثبوت نہیں ہیں کہ انہدام کا مرتکب کون ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ عدالت جہاں ایک طرف یہ کہ رہی ہے کہ مسجد گرانے کا عمل "سماج دشمن عناصر" نے انجام دیا، وہیں وہ یہ بھی بتلانے سے قاصر ہے کہ وہ عناصر کون ہیں۔ یہی نہیں بلکہ کورٹ نے یہ بھی کہا کہ ملزمین ہجوم کو روک رہے تھے نہ کہ انہیں مشتعل کر رہے تھے۔

عدالت کے فیصلے کو سن کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسجد بھلے ہی ۲۸ سال قبل شہید کی گئی تھی مگر اب انصاف کا قتل ہوا ہے۔ اس فیصلے کے بعد عوام میں عدلیہ کے تئیں اعتماد کم ہو گیا ہے۔ سوشل میڈیا پر کچھ لوگوں نے اپنے رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ آئین اور جمہوریت کا قتل ہے۔ ملک کی سیکولر جماعت میں اس بات کا شدید غصہ ہے کہ عدالت اس بات قبول کرتی ہے کہ بابری مسجد کو مسمار کرنا ایک مجرمانہ کارروائی تھی لیکن یہ بتلانے سے پیچھے ہٹ گئی کہ اس شدید جرم کا مجرم کون ہے۔ جب معمولی سے معمولی کام کو انجام دینے کے لیے ایک پلاننگ کی ضرورت ہوتی ہے تو بھلا یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ کے روز ایودھیا میں ہزاروں کی تعداد میں ہجوم یوں ہی اکھٹا ہو گیا ہو۔ یہ بات تو قابل قبول نہیں ہے کہ اتنا بڑا واقعہ اچانک رونما ہو گیا۔ جس چیز سے ہمیں اچانک سابقہ پیش آتا ہے اس کے بھی تار سابقہ واقعات سے جڑے ہوتے ہیں۔ اگر کسی درخت کی جڑیں ہمیں زمین پر نظر نہیں آتیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ درخت بغیر جڑوں کے کھڑا ہے؟ یہ بات بہت سارے صحافیوں نے اپنے ذاتی تجربات سے کہی ہے کہ بابری مسجد انہدام کے لیے ایک لمبے وقت سے تیاری چل رہی تھی۔ جس دن بابری مسجد کو گرایا جا رہا تھا اس دن صحافیوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بی جے پی، آر ایس ایس اور وشو ہندو پریشد کے لیڈر "ایک دھکہ اور دو بابری مسجد توڑ دو" جیسے نعرے لگاتے ہوئے ہجوم کو مسجد توڑنے کے لیے اُکسا رہے تھے۔ اگر یہ سب کچھ اچانک ہوا تو کیسے کارسیوک اسلحہ کے ساتھ وہاں پہنچے تھے؟ کیا بابری مسجد جیسی بڑی مضبوط عمارت کو توڑنا بچوں کا کھیل تھا؟ ہرگز نہیں۔

کورٹ کے فیصلے کے اگلے روز، ہندی میڈیا انصاف کی بات کرنے کے بجائے ہندوتوا کے ایجنڈے کے تحت ملزمین کی حمایت میں آگیا اور سیکولر جماعتوں کو نشانہ بنانے لگا۔ ایک بڑے ہندی اخبار نے تو سارے صحافتی ضابطوں کو طاق پر رکھتے ہوئے 'جے شری رام' کے عنوان سے ایک اداریہ لکھا۔ ایک دوسرے بڑے ہندی کے اخبار نے نہ صرف ملزمین کا دفاع کیا بلکہ سیکولر جماعتوں کو برا بھلا کہا کہ وہ کیسے بھگوان رام کی جائے ولادت پر سوال کھڑا کر سکتے ہیں۔ اس اداریہ میں اپوزیشن پارٹی کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ جو بات ان اخباروں کے صفحات سے غائب ہے وہ یہ ہے کہ کیسے کچھ لوگوں نے مندر مسجد کا جذباتی سوال اٹھا کر ملک کو فرقہ وارانہ تشدد کی آگ میں جھونکنے کا کام کیا۔ ہندی میڈیا کے کوریج کو دیکھ کر ایسا گمان ہوتا ہے کہ ملک کی جمہوری نظام پر خطرے کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔

کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ عدالت اور ہندی میڈیا کو بابری مسجد کو مسمار کرنے والے مجرموں کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہیں جبکہ بھگوا لیڈر خود پریس کے سامنے آکر یہ قبول کر رہے ہیں کہ انہوں نے بابری مسجد توڑی اور اس عمل پر انہیں 'فخر' ہے۔ پچھلے سال بی جے پی کی رکن پارلیمنٹ پرگیا سنگھ ٹھاکر نے خود قبول کیا ہے کہ وہ خود ۶ دسمبر کے روز ایودھیا میں موجود تھی اور مسجد کے انہدام میں حصہ لیا تھا۔ گزشتہ سال ہوئے عام انتخابات کے دوران ۳ ایک انٹرویو دیتے ہوئے ٹھاکر نے کہا تھا کہ "ہم رام مندر بنائیں گے اور عالیشان بنائیں گے ہم مسجد توڑنے گئے تھے میں نے خود چڑھ کر اسے توڑا تھا اور اس پر مجھے زبردست فخر ہے۔۔۔ مجھے ایشور نے طاقت دی تھی کہ ہمیں ملک کی لعنت مٹانا ہے"۔ اس بیان کے بعد الیکشن کمیشن نے انہیں انتخابی ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کے لیے نوٹس بھیجا مگر اس کے بعد بھی وہ خاموش نہیں رہیں اور کہا "میں اپنے بیان سے پیچھے نہیں ہٹ رہی ہوں۔ ڈھانچہ کو توڑا گیا جہاں ایک عالیشان مندر تعمیر کی جائے گی۔ کوئی مجھے رام مندر بنانے سے روک نہیں سکتا"

تضاد دیکھیے کہ سی اے اے کے خلاف پُرامن طریقے سے احتجاج کرنے والے جہدکاروں کے خلاف ثبوت اکٹھا کرنے میں سیکوریٹی ایجنسی کو تھوڑا بھی وقت نہیں لگتا۔ حکومت وقت کی پالیسی پر تنقید کرنے والے سیکڑوں سماجی اور سیاسی کارکنانوں کو ملک مخالف اور دہشت گردی سے متعلق دفعات میں ملزم بنایا جاتا ہے اور بہت سے لوگوں کو جیل میں بھی ڈال دیا جاتا ہے۔ حکومت پر تنقید کو ملک مخالف اور دہشت گردی سے جوڑنے میں پولیس اور دیگر جانچ ایجینسیاں کافی سرگرم ہیں۔ اگر کوئی مسلمان نوجوان گرفتار کر لیا جاتا ہے تو کچھ ہی گھنٹوں میں پولیس اس کے خلاف تمام ثبوت جمع کرنے کا دعویٰ کرتی ہے۔ مگر ۲۸ سال پرانے بابری مسجد انہدام کیس میں سی بی آئی پختہ ثبوت اکٹھا نہیں کر پائی۔ جس بابری مسجد کی شہادت پوری دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہوئی اس کارروائی کا ثبوت ملک کی 'ممتاز' جانچ ایجنسی کو ۲۸ سال کی محنت کے باوجود نہیں ملا۔ کیا سی بی آئی عدالت پرگیا سنگھ ٹھاکر کا بیان بابری مسجد کیس میں ثبوت کے طور پر استعمال نہیں کر سکتی تھی؟

سی بی آئی عدالت کے ذریعے بری کیے جانے والے ملزمین میں جے بھگوان گویل بھی شامل ہیں۔ ۶۲ سالہ گویل پہلے شیو سینا میں تھے مگر بعد میں وہ بی جے پی میں چلے گیے۔ عدالت کے فیصلے کے فوراً بعد، گویل نے نیوز چینل سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ان کی کوشش ہمیشہ سے تھی کہ بابری مسجد کو ۶ دسمبر ۱۹۹۲ کو منہدم کر دیا جائے۔ گویل کے مطابق مسجد توڑنے کی پہلی کوشش ۱۹۹۰ میں کی گئی تھی مگر اسے اس وقت کے اتر پردیش کے وزیر علیٰ ملایم سنگھ نے ناکام کر دیا تھا۔ گویل نے مزید کہا کہ عزم مصمم کے ساتھ انہوں نے آخرکار ۱۹۹۲ میں کامیابی پالی۔ اتنا ہی نہیں گویل نے یہ بھی کہا کہ آنے والے دنوں میں کاشی میں واقع مسجد توڑی جائے گی اور متھرا میں شاہی عید گاہ کو بھی مسمار کیا جائے گا۔ ونے کٹیار نے بھی جن کو ۳۲ ملزموں کے ساتھ بابری مسجد کیس میں بری کیا گیا ہے، کہا ہے کہ ہندو سنتوں کے ساتھ مشورہ کر کے متھرا میں بھی رام مندر کے طرز پر ایک تحریک چھیڑی جائے گی۔ ملک کے عدالتی نظام کے لیے اس سے بڑی شرمناک بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ملزم خود پریس کے سامنے آکر بڑے فخر کے ساتھ یہ کہ رہا ہے کہ مسجد اسی نے ڈھائی ہے اور ایسا قدم آگے بھی اٹھایا جائے گا۔ مگر کورٹ کو نہیں معلوم کہ مسجد کے انہدام کے مجرم کون ہیں۔

جسٹس منموہن سنگھ لبراہن نے جن کی قیادت میں سال ۱۹۹۲ میں بابری مسجد کیس کی تفتیش کے لیے ایک جانچ ٹیم تشکیل دی گئی تھی، صاف طور پر کہا تھا کہ بابری مسجد انہدام ایک منصوبہ بند کارروائی تھی۔ "میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ (بابری مسجد انہدام) ایک شہری سازش تھی۔ میں اس بات پر اب بھی یقین کرتا ہوں۔ میرے سامنے جو شواہد پیش کیے گیے اس سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ بابری مسجد کا انہدام باریک طریقے سے کی گئی منصوبہ بندی تھی۔ مجھے یاد ہے اوما بھارتی نے صاف طور پر اس کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ مسجد کا انہدام غیبی طاقتوں نے نہیں کیا تھا، بلکہ اسے انسانوں نے انجام دیا تھا (انڈین ایکسپریس، یکم اکتوبر، ۲۰۲۰)۔ غور طلب ہے کہ لبراہن کمیشن کی تشکیل بابری مسجد انہدام کیس کی جانچ کرنے کے لیے سال ۱۹۹۲ میں کی گئی تھی ۲۷ سال کے بعد کمیشن نے اپنی رپورٹ پچھلے سال جمع کی تھی جس میں اس نے سینئر آر ایس ایس اور بے جے پی لیڈروں کو ملوث بتایا تھا۔ اڈوانی، مرلی منوہر جوشی، اوما بھارتی اور تب کی کلیان سنگھ کی قیادت والی اتر پردیش کی بی جے پی حکومت کے رول کے بارے میں لبراہن کمیشن نے کہا کہ "انہوں نے فعال اور غیر فعال دونوں طریقوں سے انہدام کی حمایت کی تھی۔ لبراہن کمیشن نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی کہا تھا کہ کارسیوکوں کا ہجوم اچانک سے جمع نہیں ہو گیا تھا اور نہ رضاکارانہ طور پر لوگ جمع ہو گئے تھے اس کے پیچھے منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ لبراہن کمیشن کی رپورٹ میں ۶۰ افراد کو نامزد کیا گیا تھا جن میں اڈوانی، جوشی، بھارتی کے علاوہ سابق وزیر اعظم اٹل بہاری باجپئی، آر ایس ایس اور وی اچ پی کے رہنما اور نوکر شاہ شامل ہیں۔ کمیشن نے کہا کہ ان لوگوں نے "ملک کو فرقہ وارانہ غیر ہم آہنگی کے دہانے پر پہنچا دیا تھا" جسٹس لبراہن نے سی بی آئی عدالت کے فیصلے پر تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا لیکن یہ بات تسلیم کی کہ "اڈوانی، واجپئی سبھی میرے سامنے حاضر ہوئے۔ اوما بھارتی نے صاف طور سے اس کی ذمہ داری لی۔۔۔ اب اگر عدالت کہتی ہے کہ وہ اس کے لیے ذمہ دار نہیں ہے تو اس میں میں کیا کر سکتا ہوں" (انڈین ایکسپریس، یکم اکتوبر ۲۰۲۰)۔

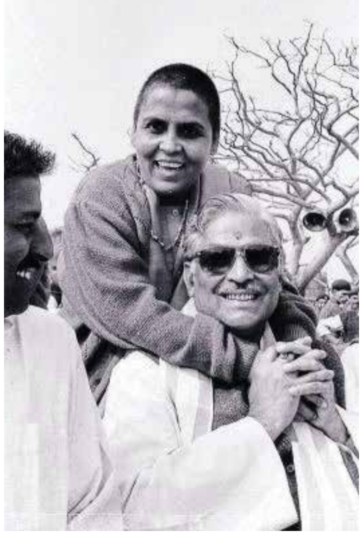

جس دن بابری مسجد توڑی جا رہی تھی اس دن جائے واردات پر سینئر صحافی سیما چشتی، مارک ٹلی، پروین جین، روچرا گپتا اور سعید نقوی بھی موجود تھے۔ پچھلے سال دلی میں ایک پریس کانفرنس میں اپنی بات رکھتے ہوئے ان صحافیوں نے صاف طور پر کہا کہ مسجد گرانے کا منصوبہ پہلے ہی بن چکا تھا۔ بابری مسجد انہدام کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے ان صحافیوں نے کہا کہ جب وہ مسجد توڑ رہے کارسیوکوں کی تصویر لے رہے تھے تو ان پر حملے کیے گئے اور کچھ کے کیمرے بھی توڑ دیے گئے۔ ان صحافیوں نے یہ بھی کہا کہ جب انہوں نے موقع پر موجود اڈوانی اور مرلی منوہر جوشی سے اس کے بارے میں شکایت کی تو انہوں نے اسے نظر انداز کر دیا۔

بی بی سی کے لیے کام کرنے والے ممتاز مارک ٹلی نے اس سیاہ دن کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ "بڑی تعداد میں نام نہاد کارسیوک آ پہنچے اور صحافیوں پر حملہ کر دیا۔ ان کے کیمرے توڑ دیے گئے۔۔۔ اچانک میں نے دیکھا کہ بڑی تعداد میں لوگ مسجد کی طرف بڑھنے لگے، پولیس کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں کی گئی۔۔۔ جو بات خاص طور سے ذلت آمیز تھی وہ یہ کہ اس دن انتظامیہ اور حکومت پوری طرح سے گر پڑی تھی۔ در اصل اس دن کوئی حکومت وجود میں نہیں تھی"۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہاں موجود مرکزی سیکورٹی فورسیز نے بھی ہجوم کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ یہی نہیں مسلمانوں کے خلاف فحش نعرے بھی لگائے گئے (دی وائرے دسمبر، ۲۰۲۰)۔

۶ دسمبر کے سیاہ دن صحافی سعید نقوی بھی ایودھیا میں موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ جائے واردات پر مسلم اور پاکستان مخالف نعرے لگائے جا رہے تھے۔ 'اب یہ پرچم لہرائے گا پاکستان پر'، 'بم گرے گا پاکستان پر'، 'ابھی ہمیں راولپنڈی جانا ہے'، 'ابھی ہمیں لاہور جانا ہے'۔ نقوی نے کہا کہ اس دن بھگوان رام کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ سب کچھ پاکستان کے بارے میں تھا۔ کارسیوک ایسا محسوس کر رہے تھے کہ انہوں نے مغلوں کو ہرا دیا ہے جیسا کہ نریندر مودی نے ہزار سال کی غلامی کی بات کہی ہے۔ اس وقت 'ورلڈ رپورٹ' کے لیے کام کرنے والے نقوی نے بابری مسجد انہدام کے لیے کانگریس کو بھی ذمہ دار قرار دیا۔ ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے نقوی نے کہا کہ مسجد منہدم ہونے سے قبل جب وہ سابق کانگریس لیڈر اور مرکزی وزیر ارجن سنگھ سے ملے تو انہوں نے کہا تھا کہ مسجد منہدم کی جا سکتی ہے۔ ارجن سنگھ نے یہ بھی تسلیم کیا کہ ان کی پارٹی اس لیے کچھ نہیں کر پائی کیونکہ اس مسئلے پر پارٹی کے اندر زبردست اختلاف تھا۔ نامور فوٹو جرنلسٹ پروین جین بابری مسجد گرائے جانے کے ایک روز پہلے وی اچ پی کے ذریعے منعقد 'ڈریس ریہرسل' کو اپنے کیمرے میں قید کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ پروین جین وی اچ پی کے ایک لیڈر کی مدد سے اندر داخل ہوئے اور وہاں جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ ان سارے دلائل کو خارج کر دیتا ہے کہ بابری مسجد انہدام ایک غیر منصوبہ بند عمل تھا۔ جین اس دن کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "وی اچ پی لیڈر بی ایل شرما پریم نے مجھے ریہرسل کو دیکھنے کا موقع دیا۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے مجھے وی اچ پی کا شناختی کارڈ دیا گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ لوگوں کو مسجد گرانے کے لیے پیشہ وارانہ طریقے سے تربیت دی جا رہی تھی۔ ان کے پاس مشین اور ہتھیار بھی تھے۔ وہاں گنبد کی شکل کا ایک ڈھانچہ بھی کھڑا کیا گیا تھا اور لوگوں کو رسی کی مدد سے اور مختلف آلات تھامے ہوئے چڑھنے کی ٹریننگ بھی دی جا رہی تھی۔ بعد میں پریم نے مجھ سے کہا کہ اسی طریقے سے مسجد گرائی جائے گی۔ میڈیا میں اس وقت کسی نے بھی میری باتوں پر یقین نہیں کیا تھا۔ پروین جین نے کہا کہ اس دن ہندوتوا قوتوں نے فوٹو جرنلسٹ کو خاص کر نشانہ بنایا۔ بلڈنگ کے اوپر سے ان لوگوں نے ہمارے کیمروں کو چھین لیا۔ جب میرے اوپر حملہ کیا گیا تب میں اڈوانی کے پاس پہنچا اور ان سے مدد مانگی مگر انہوں نے مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ سارے لیڈران اس وقت منہدم کی جا رہی مسجد کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں نے ہجوم سے کہا کہ وہ سپریم کورٹ کی ہدایت کا احترام کریں، مگر ان کے ان الفاظ کا کوئی اثر نہیں ہوا اور لوگ ہنس پڑے" (دی وائرے دسمبر، ۲۰۲۰)۔ سلسلہ صفحہ نمبر ۹

اگر مندر تحریک کی مدد سے ہندتوا طاقتوں نے لوگوں کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم نہیں کیا ہوتا تو بھگوا سیاسی جماعت شاید دلی کے اقتدار تک نہیں پہنچ پاتی۔ یہی وجہ ہے کہ بھگوا طاقتیں مندر مسجد کے مسئلے کو حل کرنے سے زیادہ سیاست کرنا چاہتی تھیں۔ ان کا بابری مسجد کا تجربہ اب بنارس اور متھرا میں دہرایا جا سکتا ہے۔

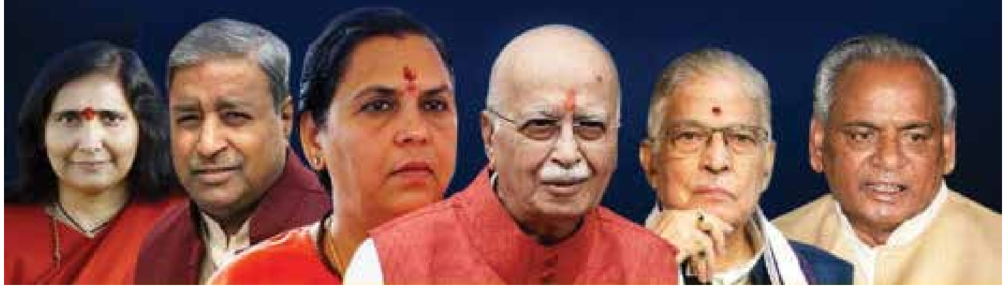

ملک کے مستقبل کا سوال ہے۔۔!

اگر عدالت انصاف کرتی تو ایودھیا میں رام مندر نہیں بنتا
چشم دید گواہوں سے ہفت روزہ دعوت کی بات چیت

افروز عالم ساحل

جس منصوبہ بند سانحہ کو ملک کے ماتھے کا کلنک کہا گیا، جس مسجد کی عمارت کی تحفظ کا وعدہ حکومت ہند نے سپریم کورٹ میں حلف نامہ دے کر کیا تھا، اسی عبادت گاہ کو دن دہاڑے سورج کی روشنی میں لاکھوں کے ہجوم کے درمیان میڈیا کے کیمروں کے سامنے ڈھادیا گیا۔ اب جب کہ ۳۰/ ستمبر کو اس معاملے میں پورے ۲۸ سالوں کے انتظار کے بعد عدالت نے اپنا فیصلہ سنایا تو جج صاحب کا کہنا ہے کہ مسجد کو ملزمین میں سے کسی نے نہیں توڑا۔

انصاف کی گہرائی کا اندازہ اسی سے لگائیے کہ جن لوگوں پر اس مسجد کے انہدام کا الزام تھا، ان کے بارے میں اسپیشل سی بی آئی جج ایس کے یادو صاحب نے صاف صاف کہہ دیا کہ اڈوانی اور جوشی سمیت تمام سینئر رہنماؤں نے ٦ دسمبر ۱۹۹۲ کے دن ہجوم کو روکنے کی کوشش کی تھی۔ جج

آچاریہ ستیندر داس

صاحب یہیں نہیں رکے بلکہ آگے اپنے فیصلے میں یہ بھی لکھ ڈالا کہ وشو ہندو پریشد کے مہان نیتا اشوک سنگھل اس ڈھانچے کو بچانا چاہتے تھے کیونکہ اندر رام کے بت موجود تھے۔ اگر سنگھل آج زندہ ہوتے تو اس نرالی منطق پر یقیناً خوشی سے جھوم اٹھتے۔

اس سانحہ کے بعد مسلمانوں کے یہاں یہ تاثر پایا جارہا ہے کہ کیا اس ملک میں اقلیت کے لیے عدالتوں سے فیصلے کے پیمانے یہی ہوں گے؟ اسی سوال پر ہفت روزہ دعوت نے ملک کے ان لوگوں سے بات چیت کی جو کسی نہ کسی طور سے بابری مسجد انہدام معاملے کے چشم دید گواہ رہے ہیں یا پھر اس پورے معاملے کو ۱۹۹۲ یا اس سے پہلے سے دیکھتے آرہے ہیں۔

ہفت روزہ دعوت کے ساتھ خاص بات چیت میں رام مندر کے صدر پجاری آچاریہ ستیندر داس (۸۳ سال) کہتے ہیں "عدالت جو کرتی ہے، صحیح کرتی ہے۔ عدالت نے تمام ثبوتوں اور پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ہی یہ فیصلہ دیا ہے"

کیا آپ کو لگتا ہے کہ ٦ دسمبر ۱۹۹۲ کے دن جو کچھ ہوا تھا وہ اچانک ہوا تھا؟ اس سوال پر وہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے کی بات ہے۔ ٦ دسمبر کی تاریخ پہلے سے طے تھی۔ میرے سامنے منچ لگا تھا، لاؤڈ اسپیکر لگا تھا۔ منچ پر اڈوانی، جوشی سمیت تمام لیڈر موجود تھے اور تقریریں کررہے تھے نوجوان پرجوش ہوگئے آگے جو ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔

وہیں ایودھیا کے سریو کنج رام جانکی مندر کے مہنت یُگل کشور شاستری (۷۱ سال) لکھنؤ کی خصوصی عدالت کے اس فیصلے سے کافی ناراض نظر آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "اصل مسئلہ یہ ہے کہ جب مقدمہ چل رہا ہوتا ہے تو مسلمان سوتا رہتا ہے فیصلہ آنے کے بعد ہی وہ جاگتا ہے لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ اس معاملے میں تو گواہ کو ہی خرید لیا گیا" شاستری جی کا الزام ہے کہ بکنے والوں میں زیادہ تر گواہ مسلمان تھے۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ "ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ملک کی عدالتوں میں جج کون لوگ ہیں۔ جب ایک ہی ذات کے لوگ جج ہوں گے تو کیا ہوگا۔ اس ملک میں مسلمان، دلت، آدیواسی اور او بی سی کو انصاف کبھی نہیں ملے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہماری عدالتیں انصاف نہیں کر رہی ہیں، اگر انصاف کرتیں تو ایودھیا میں رام مندر نہیں بنتا بلکہ وہاں پھر سے مسجد ہوتی" واضح ہو کہ یُگل کشور شاستری بھی اس مقدمے میں ایک گواہ تھے۔ بقول ان کے آج سے ۱۲ سال پہلے سی بی آئی نے سال ۲۰۰۸ میں ان کی گواہی درج کی تھی۔ لیکن ان کا کہنا ہے کہ میں نے اپنی گواہی میں کئی ثبوت پیش کی تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ٦ دسمبر ۱۹۹۲ کے دن جو کچھ ہوا، سازش کے تحت ہوا تھا۔ لیکن فیصلہ میرے گواہی کے بالکل الٹ ہے۔ بابری مسجد کی زمین سے متعلق مقدمے میں مدعی رہے اقبال انصاری اس فیصلے پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں "ہم مسلمان ہیں اور ہم نے ہمیشہ آئین، قانون اور عدالتوں کا احترام کیا ہے، اور آج بھی کریں گے۔ ہم نے اس مسئلے کو ۹ نومبر ۲۰۱۹ کو ہی ختم کر دیا تھا جو کچھ ہونا تھا اس دن ہو چکا ہے اب یہ معاملہ یہیں ختم ہو جانا چاہیئے۔ کم سے کم اس بہانے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اب دراڑ ختم ہو۔

اقبال انصاری

ہفت روزہ دعوت کے ساتھ خاص بات چیت میں فیض آباد سے تعلق رکھنے والے سینئر صحافی مدھوکر اپادھیائے کا کہنا ہے "اس فیصلے پر میں بالکل بھی حیران نہیں ہوں۔ اور اس پر کسی کو حیرانی ہونی بھی نہیں چاہیے۔ ہاں! اس کے الٹ کچھ اس معاملے میں فیصلہ آتا تو حیرانی ضرور ہوتی"

ایسا کیوں؟ اس سوال پر وہ کہتے ہیں کہ ملک میں اس وقت جس طرح کا ماحول ہے یا عدالتیں جس طرح کے فیصلے ان دنوں دے رہی ہیں، اس میں اس طرح کے فیصلوں کی ہی امید کی جاسکتی ہے۔ اس سے الگ کیا فیصلہ ہوسکتا ہے؟

ایودھیا سے نکلنے والے 'جن مورچہ' اخبار کی سینئر صحافی سومن گپتا بھی یہی باتیں دہراتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "مجھے کبھی نہیں لگا اس سے الگ کوئی فیصلہ آسکتا ہے بلکہ سچ کہوں تو ٦ دسمبر ۱۹۹۲ کو میں نے جو کچھ بھی ایودھیا میں دیکھا تھا پولیس اور انتظامیہ پر سے یقین اسی دن ختم ہو گیا تھا۔ یہ صرف ایک فیصلے کا سوال نہیں ہے بلکہ ملک کے مستقبل کا سوال ہے۔ اور یہ واقعہ دن کی روشنی میں میں پیش آیا، پوری دنیا اس دن کے سچ سے روبرو ہے"

واضح رہے کہ ایک ایف آئی آر سومن گپتا نے بھی درج کرائی تھی۔ ٦ دسمبر ۱۹۹۲ کو ان پر بھی حملہ ہوا تھا، ان کے کیمرے اور تمام چیزیں چھین لی گئی تھیں۔ ان کی کہانی کافی زیادہ درد بھری ہے، لیکن سومن اب اس فیصلہ کے بعد ایک برا خواب سمجھ کر بھول جانا چاہتی ہیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ "مجھے کئی بار بلایا گیا اور میں نے اپنی گواہی دی۔ ایک دن میں گواہی کے لیے نہیں جا پائی تو جج نے میرے خلاف وارنٹ جاری کر دیا" پھر کیا ہوا؟ اس پر وہ بتاتی ہیں کہ "اگلی سماعت میں جج سے معذرت کرتے ہوئے نہ آپانے کی وجہ بتائی تو انہوں نے وارنٹ واپس لے لیا" سومن مزید کہتی ہیں "اب یہ دیکھنا دلچسپ ہے کہ اس فیصلے کے خلاف سی بی آئی کیا کرتی ہے اور باقی لوگ کیا کریں گے۔ عدالتیں ثبوت کے بنیاد پر فیصلہ دیتی ہیں، اگر عدالت کو یہی فیصلہ کرنا تھا، تو پھر ان ثبوتوں کا کیا ہوا، جو گواہوں نے سی بی آئی کو پیش کی تھیں"

بابری مسجد انہدام مقدمے کی سماعت میں ۳۵۱ افراد نے گواہی دی تھی، جس میں پولیس افسر، سرکاری عہدیدار اور سینئر صحافی موجود تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان کی گواہی کا کیا ہوا؟ کیا تمام عینی شاہدین نے جھوٹ بولا ہے؟ یہاں یہ بھی بتادیں کہ ۲۳۰۰ صفحات کے فیصلے میں کسی بھی میڈیا یا اخبار یا ویڈیو کیسٹ کو بطور ثبوت قبول نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی اس پر غور کیا گیا ہے۔

ہفت روزہ دعوت نے اس سلسلے میں 'جن مورچہ' اخبار کے بانی شیتلا سنگھ سے بھی بات کرنے کی کوشش کی، لیکن ان دنوں ان کی طبیعت تھوڑی ناساز ہے، جس کی وجہ سے بات چیت نہیں ہو سکی۔ شیتلا سنگھ کی سال ۲۰۱۹ میں 'رام جنم بھومی بابری مسجد کا سچ' نامی کتاب فاروس میڈیا نے شائع کی ہے۔

شیتلا سنگھ نے اس کتاب میں متعدد ثبوت پیش کیے ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ٦ دسمبر ۱۹۹۲ کے دن سب کچھ منصوبہ بند طریقے سے ہوا تھا۔ وہ اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں، '۲۷ نومبر ۱۹۹۲ کے دن ہاتھ سے ایک خط لکھا اور اسے وزیر اعظم اور ارجن سنگھ کو ان کی رہائش گاہوں کے فیکس پر بھیج دیا اور فیکس ملنے کی تصدیق بھی کرلی۔ میں نے اس فیکس میں لکھا کہ بابری مسجد کا انہدام یقینی ہے۔ اسے منہدم کرنے کے لیے سامان، اوزار و ہتھیار نئے تعمیر شدہ شیش اوتار مندر میں رکھے گئے ہیں جہاں کارسیوکوں کا پہرا ہے۔ کارسیوکوں کے لیے ٹریننگ کا کام بھی ایکوائر شدہ خطے کے کارسیوک کیمپ میں چل رہا ہے۔ میں نے دوسرے دن بھی فون سے وزیر اعظم اور ارجن سنگھ کو فیکس ملنے کی تصدیق کرلی۔

شیتلا سنگھ

بتایا گیا کہ اسے متعلقہ لوگوں کو بھیجا جاچکا ہے۔ اس کے بعد ایودھیا میں کیا ہورہا ہے، خاص تبدیلیوں اور وارداتوں کی اطلاع میری طرف سے انہیں دی جاتی رہی۔۔۔ لیکن وزیر اعظم نے کوئی کارروائی نہیں ہونے دی جس کے نتیجے میں انہدام کا افسوسناک سانحہ ہوا۔

ایودھیا کے غفران خان کہتے ہیں "اس فیصلے سے نقصان اس ملک کے اقلیتوں کا نہی ہوا ہے بلکہ اصل میں اس ملک کی عدلیہ اور جمہوریت کا ہوا ہے۔ آنے والے دنوں میں ملک کی اقلیتوں کے لیے عدالتوں سے آنے والے فیصلوں کے پیمانے اگر یہی رہے تو یقیناً ملک کے تمام انصاف پسند باشندوں کا عدالتوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھروسہ ختم ہو جائے گا، جو کسی بھی معنی میں اس ملک کے مستقبل کے لیے مناسب نہیں ہے"

تب بابری مسجد مسمار ہوئی تھی اور اب انصاف۔۔!

بسلسلہ صفحہ نمبر ۳

صحافی روچرا گپتا بھی اس وقت جائے واردات پر موجود تھیں۔ تب ان کے اوپر جنسی حملے ہوئے۔ "اُس وقت کے سارے نعرے زہریلے، مردانہ فخر کے جذبات سے نکل رہے تھے، جو جارحیت کی علامت تھے۔ سادھوی رتھمبرا اور اوما بھارتی مختلف اوقات میں مردوں سے یہ پوچھ رہی تھیں کہ کیا انہوں نے چوڑیاں پہن رکھی ہیں۔ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں مسجد کے اندر جاؤں گی۔ مسجد کے اندر ہندتوا کے کارکنان بھرے پڑے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے ان کے درمیان سے نکلنے کی کوشش کی، تبھی کسی نے میری طرف دیکھتے ہوئے 'مسلمان' کہہ کر چلایا۔ موت سے میں بالکل کچھ ہی پل دور تھی۔ اسی دوران کچھ لوگ زبردستی میرے بدن کو چھونے لگے۔ انہوں نے میری چھاتی اور کمر میں انگلی گھسائی۔ وہ سب کچھ بہت ڈراؤنا تھا۔ اس دوران میں زور زور سے چیختی رہی کہ میں ہندو ہوں"۔ روچرا گپتا نے کہا کہ جس شخص کا انہوں نے ایک روز قبل انٹرویو لیا تھا اس نے ان کو بچایا اور اڈوانی تک پہنچانے میں مدد کی" جب اس پریشان حالت میں میں نے اڈوانی سے کہا کہ وہ لوگوں کو منع کریں کہ وہ صحافیوں پر حملہ نہ کریں تو اڈوانی نے کہا 'آپ کے ساتھ جو ہوا اسے بھول جاؤ دیکھو کہ کتنا تاریخی دن ہے۔۔۔ آپ کچھ میٹھا کھاؤ'۔ پھر ان کے ایک سکیورٹی گارڈ نے میری طرف چینی بڑھائی اور اڈوانی نے اپنا دوربین مجھے تھما دیا۔ جب میں نے کہا کہ میں ابھی کچھ نہیں دیکھنا چاہتی تب انہوں نے کہا "دیکھو! مسلمان خود اپنے گھروں کو معاوضہ پانے کے لیے جلا رہے ہیں" (دی وائر، ٧ دسمبر، ۲۰۲۰)۔

بابری مسجد انہدام کے اگلے روز اخباروں نے بھی انہدام کی زبردست تنقید کی اور شک کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ مثال کے طور پر ٧ دسمبر، ۱۹۹۲ کے روز 'نا قابل معافی' کے عنوان سے 'دی ہندو' نے ایک اداریہ لکھا اور کہا کہ "اتر پردیش کی بی جے پی حکومت کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اقتدار

میں رہے کیونکہ اس نے بڑی بے شرمی سے اپنی آئینی ذمہ داری کو نبھانے سے کوتاہی برتی"۔

اگر ہم سیاست اور صحافت سے دور ہٹ کر بھی اس پورے معاملہ کو دیکھیں تب بھی یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ بابری مسجد انہدام اور اسی مقام پر رام مندر کی تعمیر کا ایجنڈا ایک سیاسی عمل تھا۔ بغیر منصوبہ بندی اور سازش کے اتنی بڑی عمارت نہیں گرائی جا سکتی تھی۔ بغیر حکومت اور انتظامیہ اور پولیس کی مدد سے لاکھوں لوگوں کو وہاں جمع نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کی طرف کوئی اور نہیں بلکہ ایودھیا کا ایک ہندو پجاری لال داس اشارہ کرتا ہے۔ "آج تک جو پورے ہندوستان کے اندر فرقہ وارانہ دنگے پھیلائے گئے، وہ پیسے اور کرسی کے لیے پھیلائے گئے۔ میں تو رام کا پجاری ہوں، میں بالکل حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ آج تک وشو ہندو پریشد کے لوگوں نے وہاں گل پوشی بھی نہیں کی ہے۔ بھگوان کی پوجا تک نہیں کروائی۔۔ اس دوران کچھ کرایہ کے سادھو خریدے گئے اور رام مندر کی اینٹیں گھمائی گئیں اور ان اینٹوں سے انہوں نے اپنا کمرہ اور مکان بنانا شروع کیا۔ انہوں نے عوام کے جذبات کا استحصال کر کے بڑی بڑی عمارتیں بنالیں۔ انہوں نے کروڑوں روپے اکھٹا کیے اور مختلف بینکوں میں جمع کروایا اور لاکھوں روپے انہوں نے اپنے نجی اکاونٹ میں ڈالے۔ لوگوں کا قتل ہو جائے اس سے ان کو کوئی مطلب نہیں۔ انہیں فقط پیسہ اور کرسی چاہیے۔ یہاں جو لوگ ہندو راشٹر کی بات کرتے ہیں، رام کے نام پر کشیدگی پھیلاتے ہیں، تشدد کرتے ہیں، یہ سبھی اعلیٰ ذات کے لوگ ہیں اور سب کے سب آرام پسند ہیں، ان میں تیاگ اور عوام کی بھلائی کا جذبہ نہیں ہے۔ یہ صرف مذہبی جذبات کو ابھار کر خود کے لیے سُکھ اور سہولتیں پانا چاہتے ہیں۔ یہ عوام کی فلاح کی بات کر ہی نہیں سکتے" (حوالہ: آنند پٹوردھن کی ڈاکومنٹری 'رام کی نام سے')۔ ایک سال بعد پجاری لال داس کا قتل ہوجاتا ہے اور وی ایچ پی کے ایک بڑے ناقد کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جاتا ہے۔ مگر جو بات پجاری لال داس نے سالوں پہلے کہی تھی وہ سو فی صد آج بھی صحیح ثابت ہوئی ہے۔ اگر مندر تحریک کی مدد سے ہندتوا طاقتوں نے لوگوں کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم نہیں کیا ہوتا تو بھگوا سیاسی جماعت شاید دلی کے اقتدار تک نہیں پہنچ پاتی۔ یہی وجہ ہے کہ بھگوا طاقتیں مندر مسجد کے مسئلے کو حل کرنے سے زیادہ سیاست کرنا چاہتی تھیں۔ ان کا بابری مسجد کا تجربہ اب بنارس اور متھرا میں دہرایا جاسکتا ہے۔ بھگوا طاقتوں کو یہ سب کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کیوں کہ حکومت کے پاس گرتی معیشت اور بے روزگاری کا کوئی حل نہیں ہے۔ کاشی اور متھرا میں مندر مسجد کا نیا جھگڑا پیدا کر کے ہندوتوا طاقتیں نہ صرف روزی روٹی کے سوالات سے عوام کا دھیان ہٹانا چاہتی ہیں، بلکہ اپنی سیاسی زمین بھی بڑھانا چاہتی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ سیکولر طاقتیں اس کا مقابلہ کیسے کرتی ہیں؟

(ابھے کمار جے این یو سے پی ایچ ڈی ہیں۔ وہ اقلیتی حقوق اور سماجی انصاف سے متعلق مسائل میں دلچسپی رکھتے ہیں۔)

debatingissues@gmail.com

***